آدابِ مباحثہ

مولانا عبدالحنان زاہد

أدب الحوار

حِوار سے مراد باہمی گفتگو، کسی عنوان پر مباحثہ کرنا اور کسی موضوع سے متعلق سوال و جواب کرنا ہے، کیونکہ حِوار باب مفاعلة کا مصدر ہے جس میں مشارکت کا معنی پایا جاتا ہے۔ حَاوَرَ يُحَاوِرُ مُحَاوَرَةً وَحِوَارًا قرآن مجید میں یہ لفظ اسی مفہوم میں وارد ہوا ہے:

٭ سورۃ الکہف میں دو بھائیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ٭ وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ قَالَ مَا أَظُنُّ أَنْ تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا ٭ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ رُدِدْتُ إِلَى رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا ٭ قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا ﴾

''(ایک دن) وہ اپنے ساتھی سے بات کرتے ہوئے بولا: ''میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور تجھ سے زیادہ طاقتور نفری رکھتا ہوں۔'' پھر وہ اپنے باغ میں داخل ہوا اور اپنے نفس کے حق میں ظالم بن کر کہنے لگا: ''میں نہیں سمجھتا کہ یہ دولت کبھی فنا ہو جائے گی اور مجھے توقع نہیں کہ قیامت کی گھڑی کبھی آئے گی۔ تاہم اگر کبھی مجھے اپنے رب کے حضور پلٹایا بھی گیا تو ضرور اس سے بھی شاندار جگہ پاؤں گا۔'' اس کے ساتھی نے گفتگو کرتے ہوئے اس سے کہا:

''کیا تو کفر کرتا ہے اس ذات سے جس نے تجھے مٹی سے اور پھر نطفہ سے پیدا کیا اور تجھے ایک پورا آدمی بنا کھڑا کیا۔'' (ترجمہ آیات: ۳۴ تا ۳۷)

یعنی جب ایک باپ کے دو بیٹوں کو وراثت ملی تو اُن میں سے ایک نے اپنا وراثتی حصہ فی سبیل اللہ خرچ کیا اور دوسرے نے اس حصے سے باغات وغیرہ حاصل کر لئے اور وہ ایمان سے دور تر ہوتا چلا گیا۔ اس انداز میں ان کیباہم گفت وشنید اور تکرار کو قرآنِ مجید نے يُحَاوِر (باہم حوار) سے تعبیر کیا ہے۔

٭ اسی طرح دوسری جگہ ارشادِ ربانی ہے :

﴿ قَدْ سَمِعَ اللهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللهِ وَاللهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ﴾ (المجادلہ:۱)

''اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملہ میں تم سے تکرار کررہی ہے اور اللہ سے فریاد کیے جاتی ہے۔ اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے، وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔''

٭ جب حضرت اوس بن صامتؓ نے اپنی بیوی سے ظِہار کرلیا تو بیوی اس مسئلہ کو لے کر پیغمبر علیہ السلام کے پاس آئی تو آپؐ نے حسبِ دستور فرمایا کہ اب آپ اکٹھے نہیں رہ سکتے تو سیدہ خولہ بنت ثعلبہؓ کا اس مسئلہ کے بارے میں آپؐ سے تکرار کرنا، اپنی مجبوری بیان کرنا اور آپؐ کا جواب ارشاد فرمانا، اس مکالمے کو قرآن مجید نے تحاور (باہم حوار) سے تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ صاحب مُعجم الوسیط نے حِوار کا یہ مفہوم بیان کیا ہے:

"حديث يجري بين شخصين أو أكثر في العمل القصصي أو بين مُمثّلين أو أكثر علىٰ المَسرح" (المُعجم الوسیط: ص ۲۰۵، دار المعارف)

''حوار سے مراد وہ گفتگو ہے جو دورانِ مکالمہ دو یا دو سے زیادہ افراد کے درمیان یا اسٹیج ڈرامہ میں دو اداکاروں کے درمیان چلتی ہے۔''

حوار کی ضرورت واہمیت

اللہ تعالیٰ نے خاص حکمت کے تحت انسانی طبائع میں فرق رکھا ہے اور ان کے مابین نظری وفکری تفاوت کے باعث اختلاف کا پایا جانا فطری امر ہے۔ اسی لئے امر واقعہ یہ ہے کہ اگر کوئی ایک چیز کو پسند کرتا ہے تو دوسرا کسی دوسری چیز کو ترجیح دیتا ہے۔ ایک شخص ایک چیز کو مفید قرار دیتا ہے تو دوسرے کی عقل وخرد اس کی نقیض وضد کو بہتر اور فائدہ مند سمجھتی ہے۔ اس طرح اگر کسی عنوان یا موضوع پر مختلف افراد کا اظہارِ خیال ہو تو مختلف نظریات کا سامنے آجانا ایک طبعی امر ہے۔ اور انسان کی فطرت ہے کہ جس رائے کو صحیح خیال کرتا ہے، اسے ثابت کرنے کے لئے کوشاں رہتا ہے اور مخالف نظریے اور رائے پر اعتراض اور تنقید کرنے کے درپے ہوتا ہے، جس کے نتیجہ میں باہم تکرارِ سوال وجواب اور استدلال وجرح کا سلسلہ چلتا ہے، اسی عمل کا نام

حِوار ہے۔

گویا کہ عام مفہوم کے اعتبار سے ہر شخص کی زندگی میں حوار کا عمل پایا جاتا ہے، لیکن ایک عالم اور داعی الی اللہ عزوجل کی زندگی کا تو یہ ایک لازمی حصہ ہے۔ دین اسلام کی دعوت میں بسا اوقات مخاطب کو دین حق مؤثر انداز میں پیش کرنا ہوتا ہے تو کہیں مخاطب کے ذہن میں موجود اعتراضات کا جواب دینا ہوتا ہے۔ اگر داعی الی اللہ کو ایک طرف دین حق مثبت انداز میں یا مخاطبین کے قلوب واذہان میں صحیح اور درست عقیدہ وفکر داخل کرنا ہوتی ہے تو دوسری طرف اس کے باطل نظریہ، فاسد عقیدہ کی بیخ کنی بھی ضروری ہوتی ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ایک داعی کو جہاں دیگر طریقہ ہائے دعوت کو اختیار کرنا پڑتا ہے وہاں قدم بقدم اسے اپنے مخاطبین کے ساتھ عمل حوار سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ لہٰذا عام اشخاص کی نسبت داعی الی اللہ کے لئے اس موضوع کی اہمیت کو سمجھنا، اس کی ضرورت کو محسوس کرنا، اس کے نشیب وفراز، حدود وقیود اور شرائط وآداب کو جاننا از حد ضروری ہے۔

حوار کے اصول وضوابط اور آداب

حوار انسانی زندگی میں اور بالخصوص ایک داعی کی زندگی میں جس قدر ضروری اور لازمی ہے اسی قدر یہ خطرناک اور مہلک بھی ہے۔ تکرار اور ردّ واخذ کے وقت اعتدال پر قائم رہنا انتہائی مشکل ہوتا ہے، بالخصوص حوار میں استعمال ہونے والی زبان کی تیز طراریاں اور منہ شگافیاں بسا اوقات زیر بحث مسئلہ کی ذاتی افادیت سے بڑھ کر کہیں بڑے جرائم کا سبب بن جاتی ہیں۔ غیرت وحمیت کی شدت 'نفس امارہ' کو ابھارتی ہے اور اس طرح بحث وجدال اپنے موضوع کے دائرہ کار سے کہیں دور نکل کر تفرقہ واختلاف اور فتنہ وفساد کا موجب بن جاتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ حوار وبحث میں ان اُصول وضوابط کو پیش نگاہ رکھا جائے جو قرآن وسنت اور سیرتِ صحابہؓ کے مطالعہ سے ہمارے سامنے آتے ہیں۔

❶ فضول گفتگو سے پرہیز: حضور ﷺ کا فرمان ہے:

((من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيرًا أو ليصمت))

''جو شخص اللہ پاک اور قیامت کے دن پر ایمان لاتا ہے، اُسے چاہئے کہ اچھی بات کہے یا

خاموش رہے۔'' (صحیح بخاری:۶۰۱۸)

❷ **مقصد فخر ومباہات کا اظہار اور لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانا نہ ہو**

اس سلسلہ میں رسول اللہ کا یہ فرمان انسان کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے:

«لا تعلموا العلم لتباهوا به العلماء، أو لتماروا به السفهاء أو لتصرفوا به وجوه الناس إليكم فمن فعل ذلك، فهو في النار» (ابن ماجہ:۲۰۸)

''تم علم اس لئے نہ سیکھو کہ تم اس کی وجہ سے علما پر فخر کرو یا بیوقوفوں سے بحث ومباحثہ اور جھگڑا کرو یا لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف پھیر لو۔ جس نے ایسا کیا وہ جہنم میں جائے گا۔''

ایسے موقعوں پر شیطان خوب گمراہی کے جال بنا کرتا ہے اور اس سے بچنا محال نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہوتا ہے۔ مفتی محمد شفیعؒ امام غزالیؒ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ

''جس طرح شراب اُمّ الخبائث ہے، خود بڑا گناہ ہے اور دوسرے بڑے بڑے جسمانی گناہوں کا ذریعہ بھی ہے، اسی طرح بحث ومباحثہ کا جب مقصود مخاطب پر غلبہ پانا اور اپنا علمی تفوق لوگوں پر ظاہر کرنا ہی ہو جائے تو یہ بھی باطن کے لئے اُمّ الخبائث ہے جس کے نتیجے میں بہت سے روحانی جرائم پیدا ہوتے ہیں، مثلاً حسد، بغض، تکبر، غیبت، دوسرے کے عیوب کا تجسس، اس کی برائی سے خوشی اور بھلائی سے رنجیدہ ہونا، قبولِ حق سے استکبار کرنا، دوسرے کے قول پر انصاف واعتدال کے ساتھ غور کرنے کی بجائے جواب دہی کی فکر کرنا، خواہ اس کے پیش نظر قرآن وسنت میں کیسی بھی تاویلات کرنا پڑیں۔ (معارف القرآن:۴۳۰/۵)

❸ **حفظ اللسان کے تقاضوں کو پیش نظر رکھا جائے**

چنانچہ امام ابن قیمؒ زبان کے خطرات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن العجب أن الإنسان يهون عليه التحفظ والاحتراز من أكل الحرام والظلم والزنا والسرقة وشُرب الخمر ومن النظر المحرم وغير ذلك ويصعب عليه التحفظ من حركة لسانه (الجواب الکافی:ص۱۱۱)

''عجب امر ہے کہ انسان کے لئے حرام خوری، ظلم، بدکاری، چوری، شراب نوشی اور غیر محرم کی طرف دیکھنا وغیرہ ایسے محرمات سے بچنا تو آسان ہے مگر زبان کو کنٹرول کرنا انتہائی مشکل ہے۔''

اس لئے ہر شخص کو چاہئے کہ وہ دوران گفتگو حفظ اللسان کے تقاضوں اور حوار کے آداب و شرائط کو مدنظر رکھے۔ دوران حوار اور حوار کے بعد اخلاق وآداب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے

پائے۔حوار سے قبل موضوع اور شرکاے مجلس کی نوعیت اور مجلس کے ماحول کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر قسم کی مجلس میں شریک گفتگو ہونے سے احتراز کرے۔

کبار علما وشیوخ کی مجلس میں خاموشی اختیار کرنا ہی قرینہ ادب ہے۔ جیسا کہ ابن عمرؓ نے کبار صحابہؓ کی موجودگی میں جواب معلوم ہونے کے باوجود بھی سکوت اختیار کیا۔ (بخاری:۴۶۹۸)

❹ مناسب عنوان و ماحول کا جائزہ لینا

مجلس میں مناسب موضوع وعنوان اور ماحول کو مدنظر رکھنا اور باریک بینی سے جائزہ لینا بھی از حد ضروری ہے، کیونکہ بعض مجلسوں سے کنارہ کشی اور علیحدگی کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ جب مجلس کا ماحول محض استہزا اور مذاق ہو، گفتگو میں شعائرِ اسلام کی توہین کا رنگ غالب ہو، حق اور اہل حق کی تحقیر ہو رہی ہو تو اس مجلس و گفتگو سے کنارہ کشی لازم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی صفات اور خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ﴾ (المؤمنون:۳)

''اور وہ لوگ لغویات سے دور رہتے ہیں۔''

اپنے پیغمبر کو شعائر اسلام اور آیات قرآنی کا مذاق اڑانے والے منافقین و کفار کی مجلس سے احتراز کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْ آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (الانعام:۶۸)

''اور جب آپ ہماری آیات میں عیب جوئی کرنے والوں کو دیکھیں تو ان سے اعراض کیجئے یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر شیطان آپ کو بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھیں۔'' نیز فرمایا:

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِه إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ إِنَّ اللهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِيْنَ وَالْكَافِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا﴾ (النساء:۱۴۰)

''اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس کتاب میں یہ حکم اُتار چکا ہے کہ جب تم کسی مجلس والوں کو اللہ

تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اُڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں ورنہ تم بھی اس وقت ویسے ہی ہو جاؤ گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔''

☜ اللہ تعالیٰ نے ایسی مجالس کے شرکا کو سنگین سزا کی دھمکی دی ہے۔ قرآن میں ہے:

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُوْلِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِؤُنَ ۞ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ إِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ﴾ (التوبہ:۶۵،۶۶)

''اگر آپ ان سے دریافت کریں تو یہ لوگ صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو یونہی آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ کہہ دیجئے کہ اللہ اور اس کی آیات اور اس کا رسولؐ ہی تمہارے لئے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں۔ اب عذرات نہ تراشو، تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے۔ اگر ہم نے تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر بھی دیا تو دوسرے گروہ کو تو ہم ضرور سزا دیں گے، کیونکہ وہ مجرم ہے۔''

❺ **بیکار موضوع سے احتراز:** آج کل اکثر و بیشتر ملحد و فاسق اباحیت پسند دین کے احکام کے متعلق جو رویہ اپنائے ہوئے ہیں، اسے کسی طور پر بھی بھولنا نہیں چاہئے، کیونکہ ان مسائل کو چھیڑ کر ان کا مقصود ہرگز دین کی تفہیم نہیں ہوتا بلکہ احکامِ اسلامی کے بارے میں حجیتِ حدیث کے متعلق تشکیک پیدا کرنا ہوتا ہے۔ بسا اوقات موضوع نتیجہ خیز نہیں ہوتا اور اس میں تحقیق کے درپے ہونا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہوتا ہے، لہٰذا اس میں بحث و تمحیص بے فائدہ ہوتی ہے۔ قرآنِ مجید نے اصحابِ کہف کا تذکرہ کرتے ہوئے رہنمائی دی ہے:

﴿سَيَقُوْلُوْنَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ رَبِّيْ أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيْلٌ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ إِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ أَحَدًا﴾ (الکہف:۲۲)

''کچھ لوگ تمہیں کہیں گے کہ اصحابِ کہف تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا اور کچھ غیب کی باتوں میں اٹکل چلاتے ہوئے کہیں گے کہ وہ پانچ تھے، چھٹا ان کا کتا تھا۔ کچھ کہیں گے: وہ سات ہیں، آٹھواں ان کا کتا تھا۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار ان کی تعداد بخوبی جانتا ہے،

پس آپ اس بارے میں سرسری گفتگو ہی کریں اور ان میں سے کسی سے ان کے بارے میں پوچھ گچھ نہ کریں۔''

لہٰذا ایسے عنوان و موضوعات کا سرسری تذکرہ کرتے ہوئے گزر جانا ہی دانش مندی ہے۔

❷ **دنیاوی معاملہ کو طول دینے سے گریز:** بسا اوقات موضوع کسی دنیاوی معاملہ کے حوالہ سے ہوتا ہے۔ حقوق کے لینے دینے کا تنازعہ ہوتا ہے۔ ایسے معاملہ کو بھی طول نہیں دینا چاہئے۔ بلکہ ادائیگی کی صورت میں زیادہ دے کر اور وصول کی صورت میں کم وصول کر کے معاملہ کو حل کر لینا اور تنازعہ و جھگڑا سے کنارہ کشی اختیار کر لینا ہی سلامتی و عافیت کی راہ ہے۔

◉ سرورِ گرامی علیہ السلام نے فرمایا:

«أنا زعيم ببيت في ربض الجنة لمن ترك المرآء وإن كان مُحِقًّا»

''میں ایسے شخص کے لئے جنت کے اطراف میں گھر (ملنے کی) ضمانت دیتا ہوں جو حق پر ہوتے ہوئے بھی جھگڑا اور اختلاف چھوڑ دے۔'' (صحیح ابوداود: ۴۰۱۵)

◉ دوسری حدیث میں ہے:

«أدخل الله عزوجل الجنة رجلًا كان سهلًا مشتريًا وبائعًا وقاضيًا ومقتضيًا» (مسند احمد: ۴۱۳)

''اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو اس لئے جنت دے دی کہ وہ معاملات کی خرید و فروخت اور قرض کی ادائیگی اور مطالبہ میں نرم خو تھا اور آسانی روا رکھتا تھا۔''

◉ نبی کریم ﷺ نے اس سلسلہ میں ایک رہنما اصول بیان فرمایا:

عن أبي رافع أن رسول الله استسلف من رجل بكرًا فأتاه يتقاضاه بكره فقال لرجل «انطلق فاتبع له بكرا» فأتاه فقال ما أصبت إلا بكرا رباعيا خيارًا فقال: «أعطه فإن خير المسلمين أحسنهم قضاء»

''ابو رافعؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ایک آدمی سے بکر (جوانی کے قریب اونٹ) ادھار لیا وہ شخص آیا اور اسی نوجوان اونٹ کا مطالبہ کرنے لگا۔ آپؐ نے ایک شخص کو اس کے لیے بکر خریدنے کو کہا۔ وہ شخص آیا اور کہنے لگے کہ مجھے تو اچھے والا رباعی اونٹ (ساتویں برس میں لگا ہوا) ملا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اس کو یہی دے دو، مسلمانوں میں بہتر وہ ہے جو اچھا قرض ادا

کرے۔'' (صحیح سنن النسائی:۴۳۰۳)

◉ ایک دوسری حدیث میں ہے:

عن كعب أنه تقاضى ابن أبي حدرد دينا كان عليه فارتفعت أصواتهما حتى سمعها رسول الله ﷺ وهو في بيته فخرج إليهما فكشف ستر حجرته فنادىٰ« يا كعب» قال: لبيك يارسول الله قال: «من دينك هذا» وأوما إلىٰ الشطر قال: قد فعلت قال:« قم فاقضه» (صحیح سنن النسائی:۴۹۹۸)

''حضرت کعبؓ نے ابن ابی حدردؓ سے اپنے قرض کا تقاضا کیا اور ان کی آوازیں بلند ہوگئیں۔آپؐ نے سن لیا آپؐ اس وقت اپنے گھر میں تھے آپؐ ان کی طرف نکلے اور صحن کا پردہ اٹھایا اور پکارا: اے کعب! وہ بولے لبیک یا رسول اللہؐ: آپؐ نے فرمایا: اپنا آدھا قرض معاف کردے،کعب نے کہا: میں نے معاف کیا۔ پھر آپؐ نے ابن ابی حدردؓ سے کہا: اٹھ اور قرض ادا کر۔''

چنانچہ ہر معاملہ میں حصولِ حق کے گمان سے جھگڑنا مقدمہ بازی اور ذلت و رسوائی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

❼ حق وباطل کے معاملہ میں مداہنت روا نہیں

بسا اوقات واقعتاً موضوع ایسا ہوتا ہے کہ اس میں حق و باطل کا مسئلہ ہوتا ہے۔ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل من جملہ شریعت کے مقاصد میں سے اہم ترین مقصد ہے، اس لئے وہ داعی کے فرائض میں سے اہم ترین فرض ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ (الاسراء:۸۱)

''اور کہہ دو کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔''

اور پھر فرمایا:

﴿ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾ (الانبیاء:۱۸)

''مگر ہم تو باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں جو اس کا سر توڑ دیتی ہے اور وہ دیکھتے دیکھتے مٹ جاتا ہے۔''

لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں بھی عموماً افراط وتفریط کا رویہ اپنایا جاتا ہے۔ ایک

طرف تو یہ آواز ہے کہ کسی کو غلط نہ کہو، سب صحیح ہے حتیٰ کہ ادیانِ باطلہ کو مصنوعی رواداری کے نام پر صحیح اور درست کہا جارہا ہے تو دوسری طرف حق پرستی کے دعویٰ کے ساتھ ساتھ تعصب وعناد اور فریقِ مخالف کو برداشت کرنا تو دور کی بات رہی، اس پر طرح طرح کے الزامات اور کفر وارتداد کے فتوے لگانے میں کوئی باک محسوس نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ صراطِ مستقیم اس کے درمیان ہے۔ اگر حق و باطل کو واضح کرنا اور گمراہی و ہدایت میں فرق کرنا ضروری اور لازمی امر ہے تو اختلافِ رائے کی صورت میں اعتدال کی راہ پر قائم رہنا بھی اتنا ہی ضروری اور لازمی ہے لہٰذا اس سلسلہ میں حکمت اور موعظہ حسنہ کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہیے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلَا تُجَادِلُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ (العنکبوت:۴۶)

''اہل کتاب سے کسی بہتر انداز ہی میں بحث کرو''

احقاقِ حق میں بھی دراصل مخاطب کی خیرخواہی ہی مقصود ہوتی ہے۔ حوار کوئی محض مناظرہ بازی، عقلی کشتی اور ذہنی دنگل نہیں ہوتا کہ اس میں جیت اور ہار ہی کی بنیاد پر بات ہو۔ اس لئے حوار میں نرم گفتگو، مناسب کلمات اور مخاطب کے مرتبہ کا لحاظ بھی ضروری ہوتا ہے۔

چنانچہ انبیاے کرامؑ کو بھی ان آداب کو ملحوظ خاطر رکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے گفتگو کے لیے بھیجتے ہوئے ہدایت کی گئی کہ

﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشٰى﴾ (طٰہٰ:۴۴)

''اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے۔''

❽ اسی طرح کوشش کی جائے کہ گفتگو میں فریق مخالف کی حمیت وتعصب کو بھی اٹھنے نہ دیا جائے، کیونکہ اس طرح مکالمہ و گفتگو اپنا اثر کھو بیٹھتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَسُبُّوْا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ فَيَسُبُّوا اللهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾

''ان کے معبودانِ باطلہ کا بھی بدزبانی سے تذکرہ نہ کریں، کیونکہ حمیت وتعصب میں وہ معبودِ حق کے لئے نازیبا الفاظ کہے گا۔'' (الانعام:۱۰۹)

❾ مخاطب سے اس کی ذہنی استعداد کے مطابق عقلی اور آسان دلائل سے بات کریں۔

نمونہ کیلئے جناب ابراہیمؑ کا حوار ہمیشہ سامنے رہے جو قرآن میں ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْ حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِيْ رَبِّهِ...الآية﴾ (البقرۃ:۲۵۸)

''کیا تم نے اس شخص کے حال پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیم سے جھگڑا کیا تھا...''

یہاں اُنہوں نے کس آسان انداز سے مخاطب کے شبہ کا ردّ کیا ہے اور شافی جواب سے اسے خاموش کردیا ہے۔ صحابہ کرام اور علماے سلف کی گفتگو ایسی مثالوں سے لبریز ہوا کرتی تھی۔ صحابہ کرامؓ کا آپس میں کئی مسائل میں گفتگو کرنا کتبِ احادیث میں مذکور ہے، مثلاً طلاقِ بائن میں بیوی کے لئے نان ونفقہ سے متعلق فاطمہ بنت قیسؓ اور سیدنا عمرؓ کا حوار، حدیث «إن الميت ليُعذب ببكاء أهله عليه» کے معنی سے متعلق ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، عمرو بن عثمانؓ اور سیدہ عائشہؓ کا حوار وغیرہ موجود ہے۔ بالخصوص خوارج سے سیدنا ابن عباسؓ کے مکالمات انتہائی خوبصورت مثال ہیں۔ ایسے ہی سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا خوارج سے مکالمہ انتہائی پُر تاثیر ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی سیرت واخلاق، دیانت وامانت، عدل وانصاف کس سے مخفی ہے؟ خوارج بھی اس کا اعتراف کرتے تھے۔ اب ان کے مابین نقطہ اختلاف یہ بن گیا کہ اگر آپ کا طریقہ صحیح ہے تو آپ کے پیش رو خلفا وامرا کا طریقہ غلط تھا۔ آپ ان سے برأت کا اعلان کریں اور ان پر لعنت کریں۔ اگر ایسا کریں گے تو ہم آپ کی اطاعت قبول کریں گے ورنہ نہیں۔ حضرت عمرؒ انتہائی نرمی سے جواب دیتے ہیں اور ان میں جذبہ محبت ونرمی اُجاگر کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ میں بخوبی آپ کی محنت وکاوش سے آگاہ ہوں کہ آپ نے گھر بار اور اپنے مال واولاد کو چھوڑ رکھا ہے اور جنگ وقتال کے درپے ہیں کیونکہ آپ اس کو صحیح سمجھتے ہیں، لیکن میرے نزدیک آپ کو اسے سمجھنے میں غلطی لگی اور راہِ حق سے دور چلے گئے ہیں۔ اس کے بعد عمرؒ اور خوارج کے درمیان درج ذیل گفتگو ہوتی ہے۔

عمرؒ: بتایئے دین ایک ہے یا متعدد؟

خوارج: ایک ہے۔

عمرؒ: کیا دین میں کوئی ایسا کام ہے جو تمہارے لئے جائز ہو اور میرے لئے ناجائز؟

خوارج: ہرگز نہیں، سب کے لئے یکساں اور برابر ہے۔

عمرؒ: آپ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟

خوارج: وہ تو اُمت کے سب سے افضل لوگ تھے۔

عمرؒ: آپ کو معلوم ہے کہ نبیﷺ کی وفات کے بعد مرتدین اور منکرین زکوٰۃ سے جنگیں ہوئیں، ابوبکرؓ نے مخالفین کو قتل کیا اور مال ضبط کیا اور عورتوں، بچوں کو قیدی بنایا؟

خوارج: بالکل درست ہے، اسی طرح ہوا۔

عمرؒ: کیا جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو اُنہوں نے ان بچوں اور عورتوں کو آزاد کردیا تھا؟

خوارج: درست ہے، آزاد کردیا تھا۔

عمرؒ: کیا اس اختلاف کی وجہ سے حضرت عمرؓ، ابوبکرؓ سے لاتعلق ہوگئے تھے؟

خوارج: ہرگز نہیں۔

عمرؒ: اس اختلاف کے باوجود آپ کیا ان دونوں سے محبت کرتے ہو؟

خوارج: ہاں، دونوں سے محبت کرتے ہیں۔

عمرؒ: بلال بن مرداس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟

خوارج: وہ ہمارا بہترین شخص ہے۔

عمرؒ: تمہیں معلوم ہے کہ بلال بن مرداس مخالفین کا قتل اور ان کا مال لوٹنا وغیرہ درست نہیں سمجھتا تھا اور نہ ہی عملاً ایسا کرتا تھا جبکہ اس کے ساتھی خوب قتل گری اور لوٹ مار کرتے تھے۔اس اختلاف کے باوجود کیا تمہارا آپس میں اختلاف پیدا ہوا تھا؟

خوارج: نہیں، ہرگز نہیں۔

عمرؒ: اس اختلاف کے باوجود تم دونوں سے محبت کرتے ہو؟

خوارج: ہاں

عمرؒ: مجھے عبداللہ بن وہب الراسبی کے متعلق بتاؤ، جب وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر بصرہ سے کوفہ آیا تھا تو راستہ میں عبداللہ بن خباب کے پاس سے گزرا تو اُنہوں نے عبداللہ کو قتل کردیا اور اس کی لونڈی کا پیٹ چاک کردیا۔ پھر اسی طرح یہ لوگ بنوقطعیہ پر حملہ آور ہوئے۔ ان کے آدمیوں کو قتل کیا، مال لوٹا، بچوں کو قیدی بنایا اور بچوں کے قتل وقید کے متعلق قرآن پاک کی اس آیت سے استدلال کیا: ﴿إِنَّكَ إِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا

عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾ پھر یہ قافلہ کوفہ پہنچا، اہل کوفہ کا گروہ اس قتل و لوٹ مار، عورتوں اور بچوں کو قید کر کے غلام بنانا درست نہیں سمجھتا تھا۔ تو کیا اس اختلاف کی وجہ سے دونوں گروہ ایک دوسرے سے برأت اختیار کر گئے تھے، ایک گروہ نے دوسرے پر لعنت کی تھی۔

خوارج: نہیں ایسا نہیں ہوا

عمرؓ: اس اختلاف کے باوجود تم دونوں سے محبت کرتے ہو؟

خوارج: کیوں نہیں، ضرور ہم دونوں سے ہی محبت کرتے ہیں۔

عمرؓ: جب تم اس اختلاف کے باوجود نہ برأت کا اظہار کرتے ہو اور نہ ہی لعنت کرتے ہو تو پھر مجھ سے کیوں مطالبہ کرتے ہو کہ میں اس اختلاف کی وجہ سے اپنے پیش رو، اہل خانہ سے برأت کا اعلان کروں اور ان پر لعنت کروں۔ کیا دین میں ایسا کوئی معیار ہے کہ ایک کام تمہارے لئے جائز ہو اور میرے لئے ناجائز؟

اچھا یہ بتاؤ کہ کسی مستحق لعنت پر 'لعنت' کرنے کا کیا حکم ہے۔ کیا یہ فرض ہے یا مستحب؟

خوارج: فرض ہے۔

عمرؓ: ایک خارجی کو مخاطب کر کے:

بھائی! تمہیں کتنی مدت ہوگئی ہے، فرعون پر لعنت کیے ہوئے؟

خوارج: اس نے جواب دیا کہ ایک لمبا عرصہ ہوگیا ہے۔

عمرؓ: فرعون تو کفر کا سرغنہ تھا اور پھر تم نے اتنی دیر سے اسے لعنت نہیں کی۔ اور میرے اہل بیت جن میں نیکوکار بھی تھے اور گنہگار و خطاکار بھی اور درست صحیح کام کرنے والے بھی تھے ہیں لعنت کے لئے مجھ سے کیوں مطالبہ کرتے ہو کہ میں فوراً لعنت کروں۔

حضرت عمرؓ کے اس استدلال وحوار کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سارے خوارج تائب ہو کر راہ راست پر آگئے۔ ملاحظہ ہو جامع بیان العلم وفضلہ :۱۰۵/۲

⓯ بسا اوقات حوار اپنے ہی ہم خیال سے ہوتا ہے۔ کسی ایک جانب غلطی ہوتی ہے تو وہاں دوسرے کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے احساس بیدار کیا جائے کہ تم نے غلطی کی ہے۔

چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا غزوۂ حنین میں انصار سے حوار انتہائی عبرت آموز ہے۔

مالِ غنیمت آپؐ نے قریش کے نومسلموں میں تقسیم کر دیا اور انصار کو کچھ بھی نہیں دیا۔ انصار کے دلوں میں وسوسہ پیدا ہوا کہ فتوحات ہم نے کی ہیں اور آپؐ نے سارا مال قریش کو دے دیا ہے، چہ مگوئیاں شروع ہوگئیں۔ سعد بن عبادہؓ شکایت لے کر دربارِ نبویؐ میں حاضر ہوئے کہ قوم یہ کہتی ہے۔

آپؐ نے فرمایا: اے سعد بن عبادہ! آپ کا کیا خیال ہے؟ سعد نے عرض کیا کہ میں بھی اسی قوم کا فرد ہوں۔ آپؐ نے موقعہ کی نزاکت کو پیش نظر رکھتے ہوئے انصار کو ایک جگہ جمع کیا اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''تم گمراہ تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے تمہیں ہدایت دی۔ تم فقیر تھے، میرے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں غنی کر دیا۔ تم دشمن تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے سبب تمہارے دلوں میں محبت واُلفت ڈال دی۔ اے جماعتِ انصار! تم جواب کیوں نہیں دیتے؟''

انصار کہنے لگے: ''ہم کیا جواب دیں؟ تمام فضل وکرم اور احسان ونعمت یقیناً اللہ اور اس کے رسولؐ کا ہی مرہونِ منت ہے۔'' آپؐ نے فرمایا:

''ربّ کی قسم! اگر تم چاہو تو (جواباً) کہو اور جو کہو گے، سچ کہو گے اور تمہاری بات کی تصدیق بھی کی جائے گی۔ تم کہو: «أتيتنا مكذّبا فصدقناك ومخذولا فنصرناك وطريدًا فآويناك وعائلا فاغنيناك» ''مکہ والوں نے آپؐ کی تکذیب کی تو آپؐ ہمارے پاس آئے، ہم نے آپ کو برحق رسول تسلیم کیا۔ آپؐ بے یارومددگار تھے تو ہم آپؐ کے دست بازو بنے، آپ ٹھکرائے ہوئے آئے تھے تو ہم نے اپنے گھر پیش کئے، آپ دنیا کی متاع سے خالی ہاتھ تھے تو ہم نے مال نچھاور کر دیا۔'' اگر آپ انصاری حضرات یہ باتیں کہو تو یقیناً برحق ہیں اور میں بھی ان کو تسلیم کروں گا۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے اصل مسئلہ کی حقیقت کو واضح فرمایا کہ بحمداللہ، تم تو سچے پکے ایمان دار ہو اور میں نے یہ دنیا کی دولت صرف ان کو دے دی ہے جو ابھی نئے مسلمان ہوئے ہیں، ان کی تالیف قلبی کی ہے کہ وہ ایمان واسلام میں پکے ہو جائیں۔

اور کیا آپ کو یہ پسند نہیں ہے کہ لوگ مال ومتاع کے ساتھ گھروں کو لوٹ رہے ہیں اور

تمہیں رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور رفاقت کا شرف حاصل ہے اور تم اپنے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو لے کر جارہے ہو۔ یہ ایسی پرتاثیر گفتگو اور حوار تھا کہ انصاریوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور داڑھیاں بھیگ رہی تھیں ۔(مسند احمد:۱۱۳۴۳)

الغرض ایک پیدا ہونے والی خلش اور غلط فہمی کو ایسے حکیمانہ گفتگو سے دور فرمایا کہ منفی اثرات کی بجائے مثبت اثرات اور ایمان میں پختگی نصیب ہوئی۔

⓫ اسی طرح بسا اوقات مخاطب اپنی کج فہمی، کم علمی اور جہالت کی بنا پر انتہائی گرا ہوا سوال کردیتا ہے تو ایک دانا مربی اور سمجھ دار داعی کا کام یہ ہے کہ حسن کلام اور حکمت کے ساتھ اس کی اصلاح کرے، اس کے بغیر کوئی دوسرا طریقہ مؤثر ثابت نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ کتبِ حدیث میں اعرابی وگنوار لوگوں کا آقا کی خدمت میں حاضر ہونا اور تلخ و کج گفتگو کرنا ، اور اس کے مقابلے میں آپ ﷺ کا حکیمانہ اسلوب گفتگو اور مکالمہ کہ وہ جاہل گنوار کائنات کے راہنما اور مربی بن گئے، ہمارے لیے اسوہ حسنہ ہے۔ چنانچہ حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک نوجوان نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے بدکاری کی اجازت دے دیجئے۔

صحابہ کرامؓ نے اس کے سوال کی قباحت وشناعت پر تعجب کرتے ہوئے اسے ڈانٹا، لیکن نبی اکرمؐ نے صحابہ کو روکا اور اسے اپنے قریب کر کے نہایت حکیمانہ اسلوب اختیار کرتے ہوئے اس سے پوچھا: ((أتحبه لأمك))

''کیا تم ایسی بدکاری کا فعل اپنی ماں سے پسند کرتے ہو۔''

نوجوان: ہرگز نہیں، ربّ کی قسم! اللہ تعالیٰ مجھے آپؐ پر فدا کرے۔

آپؐ نے فرمایا: تو پھر لوگ بھی اپنی ماؤں کے ساتھ بدکاری پسند نہیں کرتے۔

آپؐ نے فرمایا: ((أتحبه لابنتك))

''ایسا فعل تم اپنی بیٹی سے پسند کرتے ہو۔''

نوجوان: ہرگز نہیں، ربّ کی قسم! اللہ تعالیٰ مجھے آپؐ پر فدا کرے۔

آپؐ نے فرمایا: لوگ بھی تو اپنی بیٹیوں کے لیے ایسا ہرگز پسند نہیں کرتے۔

آپؐ نے فرمایا: ((أتحبه لأختك))

''کیا یہ بدکاری تم اپنی بہن کے لئے پسند کرتے ہو؟''

نوجوان نے کہا: ہرگز نہیں، ربّ کی قسم! اللہ تعالیٰ مجھے آپؐ پر قربان کرے۔

آپؐ نے فرمایا: کہ لوگ بھی تو اپنی بہنوں کے لئے یہ پسند نہیں کرتے۔

آپؐ نے فرمایا: «أفتحبه لعمتك»

''کیا تم ایسا فعل اپنی پھوپھی کے لیے پسند کرو گے؟''

نوجوان: ہرگز نہیں، ربّ کی قسم! اللہ تعالیٰ مجھے آپؐ پر قربان کرے۔

آپؐ نے فرمایا تو پھر لوگ بھی تو اپنی پھوپھیوں سے ایسا فعل پسند نہیں کرتے۔

آپؐ نے پوچھا: «أفتحبه لخالتك»

''کیا ایسی بدکاری اپنی خالہ کے لیے پسند کرتے ہو؟''

نوجوان: ہرگز نہیں، ربّ کی قسم! اللہ تعالیٰ مجھے آپؐ پر قربان کرے۔

تو آپؐ نے فرمایا: لوگ بھی تو اپنی خالاؤں کے لئے ایسا پسند نہیں کرتے۔

پھر آپؐ نے اپنا دست مبارک اس پر رکھتے ہوئے دعا فرمائی:

«اللهم اغفر ذنبه وطهّر قلبه وحصّن فرجه» ''اے اللہ! اس کا گناہ معاف فرما دے، اس کے دل کو صاف کردے اور اس کی شرمگاہ کو محفوظ فرما۔'' (مسند احمد: ۲۱۷۰۸)

راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد وہ نوجوان ایسی چیزوں کی طرف دھیان بھی نہیں کرتا تھا۔

ایسے واقعات بکثرت موجود ہیں، اس لئے آداب و اخلاق کے دائرے میں رہتے ہوئے حوار کے ذریعے ابطالِ باطل اور احقاقِ حق بڑے اچھے طریقے سے ہوسکتا ہے۔

حوار کے بعد قابل لحاظ اُمور

نیز یاد رکھئے کہ اپنا نقطہ نظر مدلل اور دل نشین انداز میں پیش کرنے کے بعد بھی چند آداب کو ضرور ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔

◉ جہاں دلائل احتمالی ہوں وہاں تعصب و تنگ نظری، دوسرے پر اپنی رائے کو مسلط کرنا اور دوسرے سے حق اختلاف چھین لینا درست نہیں ہے۔ گفتگو اور دلائل پیش کردینے کے بعد اگر فریق مخاطب آپ کی بات تسلیم نہ کرے تو زبردستی اس پر اپنی رائے کو مسلط نہ کریں، اسے

معذور خیال کیجئے، کیونکہ بسا اوقات دلائل واضح ہونے کے باوجود بھی بوجہ تعارض یا کم فہمی مخاطب انہیں اختیار نہیں کر پاتا۔ ایسے موقع پر اس کو رعایت دینا چاہئے۔ جیسے جنبی شخص کے لئے تیمّم کے بارے میں حضرت عمارؓ اور حضرت عمرؓ کا تکرار کتبِ حدیث میں مذکور ہے۔ عمارؓ اپنے موقف پر قائم بھی ہیں، لیکن حضرت عمرؓ کی رائے کا احترام کرتے ہیں۔

◉ اسی طرح اختلاف کے باوجود بھی فریق مخالف کا اکرام واحترام دل سے ہرگز نہ کم ہو، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کا دادا کی وراثت کے مسئلہ پر اختلاف کرنا اور آپس میں دلائل پیش کرنے میں تیزی وتکرار کا مظاہرہ کرنا حتیٰ کہ ابن عباس کہتے ہیں:

ألا يتقي الله زيد يجعل الابن ابنا ولا يجعل الأب أبا

اور حضرت ابن عباسؓ اپنے موقف کے درست ہونے پر چیلنج بھی کرتے ہیں مگر جب ملاقات ہوتی ہے تو انتہائی عقیدت واحترام کے ساتھ پیش آتے ہیں اور حضرت زیدؓ کی وفات پر گہرے دُکھ کا اظہار کرتے ہیں اور ایسی بے شمار مثالیں سلف صالحین کی زندگی میں موجود ہیں۔

◉ اور بسا اوقات زیر بحث مسئلہ کثیر الجہت ہوتا ہے تو اپنا موقف بیان کرنے کے بعد دوسرے کے موقف کے بارے میں بھی وسعتِ ظرفی اختیار کی جائے۔ اور اختلاف کو تفرد اور فرقہ بندی کی بنیاد نہ بنایا جائے، جیسا کہ بنو قریظہ کے واقعہ میں صحابہؓ کا رویہ ہمارے لیے راہنمائی فراہم کرتا ہے کہ نبیؐ نے صحابہ کو فرمایا:

«لا يصلين أحد العصر إلا في بني قريظة» (صحیح بخاری:۴۱۱۹)

''تم میں سے ہر شخص بنوقریظہ قبیلہ میں جا کر عصر کی نماز پڑھے۔''

تو اس فرمان کے مفہوم میں صحابہؓ کی آراء میں اختلاف ہوگیا، لیکن صحابہ نے اس بنیاد پر تفرد اور فرقہ بندی کی روش اختیار نہیں کی اور پھر بعد میں نبیؐ نے دونوں آرا کو درست قرار دیا۔

◉ اسی طرح کسی بحث میں فریق مخالف سے کوئی محتمل بات ہو جائے تو اس کو اچھے مفہوم پر ہی محمول کریں۔ بلا وجہ اپنی طرف سے غلط مفہوم نکالتے ہوئے طعن وتشنیع یا بدگمانی کا شکار نہ ہوں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا:

ولا تظنن بكلمة خرجت من أخيك المؤمن إلا خير وأنت تجدلها في

الخیر محملا (تفسیر ابن کثیر:۴/۲۱۲)

''اپنے مسلمان بھائی سے صادر ہونے والے کلمات کا اچھا اور بہتر مفہوم ہی مراد لیجئے جبکہ اس میں اچھا معنی لینے کا امکان واحتمال موجود ہو۔''

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاقِ عالیہ اپنانے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین!

فضلاء جامعة لاهور الاسلامية كی ایک روزہ ملاقات

ہر انسان کو اُس مادرِ علمی سے گہرا اُنس ہوتا ہے جہاں وہ اپنے بچپن کے دن گزارتا اور اپنے اساتذہ سے علم کا فیض پاتا ہے، ایسے ہی درسگاہوں کو بھی اپنے دامن سے علم وفضل حاصل کرنے والوں سے بڑی اپنائیت اور محبت ہوتی ہے۔ لیکن سالہا سال سے رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ گہرا تعلق کمزور پڑتا چلا جاتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے تعاون اور رہنمائی سے محروم ہوجاتے ہیں۔

اس گہرے اور زندہ و پائندہ تعلق کو تازہ کرنے کے لئے آپ کی مادرِ علمی **جامعة لاهور الاسلامية** نے امسال تکمیل صحیح بخاری اور تکمیل عشرہ قراءات کے موقع پر جامعہ سے گذشتہ برسوں میں تحصیل علم کرنے والوں کی **'ایک روزہ ملاقات'** کا اہتمام کیا ہے۔ اس ملاقات میں اپنے ساتھیوں کے سامنے جہاں آپ کو ان مراحل زندگی کو بیان کرنے کا موقع ملے گا جن کا اس درسگاہ سے تحصیل علم کے بعد آپ کو سامنا ہوا، وہاں آپ کو اپنے ساتھیوں کی علمی، تبلیغی سرگرمیوں اور ان کے تجربات سے استفادہ کا موقع بھی حاصل ہوگا۔ جبکہ آپ کے مشفق اساتذہ بھی اپنے روحانی فرزندوں کے سامنے اپنے تجرباتِ زندگی کا حاصل پیش کرکے رہنمائی فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ

محبت واپنائیت سے بھرپور اس مجلس میں آپ کو شرکت کی پرخلوص دعوت دی جاتی ہے، اپنے ضروری کاموں سے فرصت نکال کر ایک دن اپنی مادرِ علمی کے لئے نکال لئے جہاں آپ کے کئی پرانے ساتھیوں اور اساتذہ سے ملاقات کے لئے ایک خوبصورت محفل سجائی گئی ہے۔

ہم آپ کے چشم براہ ہوں گے!

الداعیان: شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی، حافظ عبدالرحمن مدنی، مولانا محمد شفیق مدنی قاری محمد ابراہیم میر محمدی، مولانا محمد رمضان سلفی، ناظم محمد یوسف، مولانا عبدالسلام ملتانی